گردشِ رنگِ چمن اور امراۃ عند نقطۃ الصفر میں فکری مماثلتیں

ڈاکٹر رحمت علی شاد
صدرِ شعبہ اردو، گورنمنٹ فریدیہ پوسٹ گریجوایٹ کالج پاک پتن
احمد نعیم چشتی
لیکچرار انگریزی، گورنمنٹ فریدیہ پوسٹ گریجوایٹ کالج پاک پتن

SIMILARTIES BETWEEN GARDASH E RANG E CHAMAN AND WOMAN AT POINT ZERO

Rehmat Ali Shaad, PhD
Chairman Department of Urdu
Govt. Faridia Post Graduate College, Pakpatan

Ahmad Naeem Chishti
Lecturer in English
Govt. Faridia Post Graduate College, Pakpatan

Abstract

Quratul Ain Haider's works and that of Arabic fiction writer Nawal El Sadaawi's coincide with each other in terms of thematic and intellectual depth. Specifically, many similarities can be traced between Haider's novel 'Gardsh-e Rang-e-Chaman' and El Sadaawi's 'Woman at Point Zero'. These famous novels depict the character sketches of the poor and marginalized women. Caught in the mire of adverse conditions and cruel patriarchal behaviors of society, these women are sexually exploited by the malicious bigwigs of the society. These women could be everything but prostitutes, but they lose their chastity due to their tragically oppressive circumstances.

Keywords: قرۃالعین حیدر، نوال السعدوی، اردو، عربی، فکشن، طوائف، مردوں کی برتری، استحصال، حالات، دگرگوں، کوٹھا، مماثلت

اردو فکشن کی عظیم ادیبہ، متعدد ناولوں، ناولٹوں، افسانوی مجموعوں، رپورتاژوں، سفرناموں، خاکوں، ترجموں اور ادبِ اطفال کی خالق قرۃالعین حیدر کے معروف ناول ''گردشِ رنگِ چمن'' اور عربی ادب کی نامور ادیبہ اور متعدد تخلیقات کی خالق نوال السعدوی کے ناول امراۃ عند نقطۃ الصفر کے مابین بہت حد تک فکری مماثلتیں موجود ہیں۔حالات کی ستم ظریفی کی بدولت پاک باز عورتوں کا مجبوراً طوائف بننا ان ناولوں کا بنیادی نقطہ ہے۔نواب فاطمہ،عندلیب بانو، ڈاکٹر عنبرین، مغل زادیاں دلنواز اور مہر و بانو کے علاوہ فردوس جیسی نیک سیرت خواتین کو بعض اوقات حالات اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ طوائفوں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور دوسری طرف قرۃالعین حیدر اور نوال السعدوی مردوں کی برتری کے خلاف تھیں۔مذکورہ ناولوں میں جگہ جگہ یہ تصور ابھر کر سامنے آتا ہے کہ مرد ہی ہمیشہ عورتوں کا استحصال کرتے ہیں۔

قرۃالعین حیدر اردو فکشن کی دنیا میں ایک بلند مقام پر فائز ہیں۔بہ عظیم کی اس سحر انگیز اور جانی پہچانی ادبی شخصیت کے فکر وفن میں تاریخ اور تہذیب کے متنوع رنگ دیکھنے کو ملتے ہیں۔وہ تہذیبی ماحول میں تاریخ کے جلوے دکھا کر ماضی، حال اور مستقبل کو ایک ساتھ لے کر اس طرح چلتی ہیں کہ ان کا اسلوب انفرادیت اختیار کر لیتا ہے۔ان کا فن زیادہ سے زیادہ فاصلوں میں زیادہ سے زیادہ قربت تلاش کرنے کا فن ہے۔وہ بہت ہی غیر متعلق، الگ تھلگ اور متفرق باتوں میں ایسا قرب تلاش کر لیتی ہیں کہ وہ یگانگت مسحور کر دیتی ہے۔ان کا مطالعہ محض ایک عہد یا تہذیب کا مطالعہ نہیں بلکہ کئی عہدوں اور کئی تہذیبوں پر پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

''گردشِ رنگِ چمن'' قرۃالعین حیدر کا ایک دستاویزی ناول ہے جو ۱۹۸۸ء میں پہلی بار شایع ہوا، جس کے پس منظر میں ایک ساتھ کئی زمانے متحرک دکھائی دیتے ہیں، مصنفہ نے تاریخ کے تناظر میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز زمانے سے ناول کا آغاز کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد معاشرے میں طبقاتی حد بندیاں اس طرح وجود میں آئیں کہ بادشاہ فقیر بن گئے اور فقیر بادشاہ ہو گئے۔سب کچھ تہہ وبالا اور تہس نہس ہو گیا، جس کی زد میں آ کر شریف گھرانوں کی لڑکیاں طوائف بننے پر مجبور ہو گئیں۔مذکورہ ناول کے کردار دگرگوں حالات کی بدولت ایک ایسی جگہ پر ہیں جہاں ان کی زندگیاں شدید احساسِ جرم، انتشارِ ذات اور اپنے حالات سے فرار سے عبارت ہیں۔مصنفہ نے مذکورہ ناول میں تقدیر کے لکھے اور وقت کے جبر کو، نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے دکھا کر انسان کو مجبورِ محض اور لاچار دکھایا ہے؛ ایسی

لاچاری اور بے اختیاری کے گرد گھومنے والے اس ناول ''گردشِ رنگِ چمن'' کے زیادہ تر کردار اعلیٰ متوسط طبقے سے متعلق ہیں۔مذکورہ ناول کے نمایاں کرداروں میں سب سے پہلے دل نواز کا کردار سامنے آتا ہے، جو اپنی بہن مہرو سے علیحدہ ہو کر چورن بیچنے والی حجن کے روپ میں ملتا ہے۔دوسرا اہم کردار نواب فاطمہ کا ہے جو مرزا دلدار علی برلاس کی بیٹی ہے جس کے والدین دہلی میں پھیلنے والے ہیضے سے مر جاتے ہیں اور اپنی بچی کو پیش کار سبطِ حسن کے حوالے کر جاتے ہیں۔سبطِ حسن،دلدار علی برلاس کے مرنے کے بعد اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیتے ہیں اور تبادلے کا ڈھونگ رچا کر نواب فاطمہ کو دلی کے ایک تاجر شیخ عبدالباسط کے حوالے کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔نواب فاطمہ دن رات گھر کی عورتوں کے آگے ذلیل ہوتی ہے پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ ظالم اور پتھر دل عورتیں اس کی شادی گھر میں رہنے والے ایک پاگل نوکر مدو سے کرنا چاہتی ہیں۔یہاں نواب بیگم کی زندگی میں ایک نیا موڑ آتا ہے وہ چورن بیچنے والی مغل شہزادی دل نواز کے ساتھ اجمیر شریف کے مزار پر آجاتی ہے تا کہ شیخ عبدالباسط کے اہلِ خانہ کے شر سے بچ سکے؛ یہاں ایک بھاری بھرکم فقیر نواب فاطمہ کو گھورا کرتا تھا۔دل نواز بھی اسی فقیر سے نواب فاطمہ کی شادی کرنا چاہتی تھی جیسے ہی نواب بیگم کو ان کے اس ارادے کا پتہ چلا وہ عرس کے دنوں میں اجمیر کی راحت بائی کے پیچھے چل پڑی۔اب راحت بائی اس کی قسمت کی مالک تھی۔اب نواب بیگم کے ساتھ وہی ہوا جو ایسی بد قسمت لڑکیوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔اچھے گھرانوں کی خدا معلوم کتنی ہی لڑکیاں اسی طرح طوائف بنتی ہیں۔

نواب فاطمہ کی زندگی میں کئی موڑ آتے ہیں۔کرنل ڈالٹن جو مغلیہ سلطنت کی تصویروں کا دلدادہ تھا،وہ ایک دن نایاب مغل تصاویر دیکھنے کے لیے ٹھاکر مہیشور سے ملا؛ جس کے ساتھ بیلجیئم کا ایک فوٹو گرافر آندرے رینال بھی تھا؛ اس کا تصویریں بناتے ہوئے جب نواب فاطمہ سے آمنا سامنا ہوا تو اس نے نواب فاطمہ سے تعلقات قائم کر لیے۔دوسری طرف مقروض مہیشور سنگھ کو اچانک موت نے گھیر لیا۔نواب فاطمہ موقع پا کر کلکتہ بھاگ گئیں۔آندرے رینال کو اس سے پہلے ہی اس نے خاصی دولت دے کر کاروبار کرنے کے لیے کلکتہ روانہ کر دیا تھا؛ لیکن وہ سارے پیسے ریس میں ہار کر فرار ہو چکا تھا۔نواب فاطمہ کی بیٹی عندلیب دراصل اسی بیلجیئن فوٹو گرافر آندرے رینال ہی کی اولاد تھی۔اس کے بعد نواب فاطمہ کی زندگی میں دکھ ہی دکھ تھے لیکن اپنی بیٹی عندلیب کی زندگی سنوارنا اس کا اولین مقصد تھا۔

ماسٹر مشکور حسین ؛عندلیب کو پینٹنگ سکھانے آتے تھے۔ ماسٹر مشکور حسین نے دولت کا لالچ دے کر عندلیب سے شادی کر لی حالاں کہ وہ پہلے ہی شادی شدہ تھے ؛ نہ بن سکی طلاق ہوگئی۔۱۹۴۵ء میں نواب فاطمہ کینسر سے مرجاتی ہے۔عندلیب رقاصہ بن جاتی ہے، عندلیب نے اپنی بیٹی عنبرین کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور تعلیم کے حصول کے دوران اس نے کافی ممالک گھوم پھر لیے۔اب ڈاکٹر منصور کاشغری سے اس کی دوستی تھی۔ڈاکٹر عنبرین اپنی ماں عندلیب اور نانی نواب فاطمہ کی زندگیوں پر گہرا طنز کرتی تھی کیوں کہ اسے اپنے تشخص کا گہرا دکھ تھا۔وہ سوچتی ہے کہ آیا وہ امباپرشاد کی بیٹی ہے یا ماسٹر مشکور حسین کی۔اسی سلسلے میں ڈاکٹر فاروق عثمان کی رائے ہے:

> ''عہدِ جدید میں عندلیب بیگم ہے جو نواب فاطمہ اور ایک بیلجیئن آرٹسٹ آندرے رینال کی اولاد ہے اور جو اپنے خوف ناک ماضی کی جانب سے ایک طوائف کی بیٹی اور دوسری طرف سے ایک دوغلی نسل ہونے کے دہرے عذاب میں مبتلا ہے؛ اسی طرح اس کی بیٹی ڈاکٹر عنبرین بیگ کو جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشکور حسین کی بیٹی نہیں بلکہ امباپرشاد کی بیٹی ہے تو اس کا ماضی بھی اس کے لیے ایک بھوت بن جاتا ہے؛ یوں یہ سب کردار اپنے ماضی کی صورتِ حال کے حوالے سے حال میں اپنے آپ کو مس فٹ سمجھتے ہیں اور ہر لحظہ اپنے تشخص کی تلاش انھیں مضطرب رکھتی ہیں۔''(۱)

ڈاکٹر عنبرین کو اپنے تشخص کی تلاش تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی دکھ ہے کہ اس کا سلسلہ نسب طوائفوں سے تعلق رکھتا ہے۔ایک دن وہ گہرے تاسف سے اپنے دوست ڈاکٹر کاشغری کو بتاتی ہے کہ ایک سے ایک نامعقول لوگوں کی ناجائز اولاد ہونا اس کی قسمت میں لکھا تھا۔مذکورہ ناول کا مرکزی کردار'' عندلیب بانو'' کا ہے جو نواب فاطمہ کی بیٹی اور ڈاکٹر عنبرین کی ماں ہے؛ اسی مناسبت سے اس کی کرب ناک کہانی کو ماہ وسال عندلیب کا نام دے کر ایک وسیع پس منظر میں ''گردشِ رنگِ چمن'' کی کہانی بیان کی گئی ہے،۔عندلیب بانو واقعاتِ گزشتہ کا مرقعِ عبرت ہے۔مذکورہ ناول ''گردشِ رنگِ چمن'' کا عنوان مصنفہ نے نسخہ شیرانی میں شامل مرزا غالبؔ کے مندرجہ ذیل شعر سے اخذ کیا ہے:

عمر میری ہو گئی صرفِ بہارِ حسنِ یار
گردشِ رنگِ چمن ہے ماہ و سال عندلیب(۲)

انسانی زندگی کیا ہے؟ چمن کی گردش کے مختلف رنگ۔ مذکورہ ناول میں ۱۸۵۷ء کے پر آشوب ہنگامے سے لے کر بیسویں صدی تک پھیلے ہوئے اندوہ ناک اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ عندلیب بانو کی زندگی دکھوں اور رسوائیوں سے عبارت ہے؛ وہ اچھی اور شریفانہ زندگی گزارنے کی خواہاں تھی مگر نواب بائی جے پوروالی، کا لیبل ہمیشہ اس پر لگا رہتا ہے اور اس کا کردار اپنے عہد کے زوال کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے کیوں کہ وہ پورے سماج کی نمائندہ ہے۔ ایک مغل شہزادی کا طوائف بننا، تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور تہذیبی زوال کے تجزیے کا بھی سبب بنتا ہے۔

اب ہم نوال السعدوی اور اس کے ناول امراۃ عند نقطۃالصفر کے متعلق مفصل بات کرتے ہیں۔ متعدد تخلیقات جن میں ناول، افسانے، یادداشتیں اور سوانح عمریاں شامل ہیں؛ کی خالق نوال السعدوی ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں کفرطحلۃ میں پیدا ہوئی۔ نو بہن بھائیوں میں ان کا دوسرا نمبر تھا۔ نوال کا خاندان جہاں روایات کا امین تھا وہاں ترقی پسندیت کے عناصر بھی اس کے ہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے والد نے تمام بچوں کی تعلیم وتربیت پر زور دیا؛ یہ وزارتِ تعلیم میں ایک سرکاری افسر تھے۔ انھوں نے مصری انقلاب ۱۹۱۹ء میں مصر اور سوڈان پر برطانوی قبضے کے خلاف آواز اٹھائی جس کی وجہ سے انھیں نظر بند کر دیا گیا۔ انھوں نے اپنی بیٹی نوال کو عزتِ نفس سے جینا اور خیالات کا بے لاگ اظہار سکھایا۔

نوال السعدوی کا بنیادی تشخص ایک ڈاکٹر، ماہر نفسیات، سماجی کارکن اور عورتوں کے حقوق کی علمبردار کے طور پر ابھرتا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں قاہرہ یونیورسٹی سے میڈیکل کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد اسے بحیثیت ڈاکٹر خواتین کے جسمانی اور نفسیاتی مسائل کے مشاہدے کا موقع ملا۔ اس نے ان مسائل کو مردوں کے ظلم، طبقاتی نا انصافی اور سامراجی ظلم کا شاخسانہ قرار دیا۔ ۱۹۸۸ء میں وہ مذہبی انتہا پسندوں اور سیاسی عداوت کے خطرے کے باعث مصر چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ مصر میں نوال کی کتابوں پر بھی پابندی لگ گئی پھر اس نے مصری حکومت سے تنگ آ کر اپنی کچھ کتب لبنان سے شائع کروائیں۔ نوال کی تحریروں کا مصری معاشرے پر گہرا اثر تھا۔ جس میں اس نے مظلوم عورتوں کے حوالے سے بڑی بے باکی کے ساتھ آواز اٹھائی اور ایک کامیاب تخلیق کار کے طور پر ابھری۔ اس نے عورتوں کو حقوق دلانے کی مسلسل کوشش کی۔ وہ تہذیبی مزاج جس نے مسلم معاشروں کو دقیانوسیت کی تہوں میں لپیٹ رکھا ہے؛ وہ اس کی تحریروں میں دکھائی دیتا ہے۔ تیس سے زائد زبانوں میں اس کی کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں جن میں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ہسپانوی، پرتگالی، انڈونیشین، جاپانی، فارسی، ترکی اور اردو شامل ہیں۔

اسے متعدد جامعات میں تدریسی خدمات کا موقع ملا جن میں قاہرہ یونیورسٹی، واشنگٹن یونیورسٹی، ڈیوک ڈیونیورسٹی، فرانس کی سوربون یونیورسٹی، ہارورڈ یونیورسٹی اور کیلی فورنیا یونیورسٹی شامل ہیں۔

السعدوی متعدد بڑے عہدوں پر فائز رہی اور اسے تین براعظموں میں اعزازی ڈگریوں سے بھی نوازا گیا۔ وہ عرب ایسوسی ایشن فار ہیومن رائٹس کے بانیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ Arab women's solidarity Association کی بھی بانی اور صدر ہے۔ اس نے سپریم کونسل فار آرٹس اینڈ سوشل سائنسز قاہرہ میں بطور مصنف کام کیا۔ اس نے ڈائریکٹر جنرل آف ہیلتھ ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، وزارتِ صحت قاہرہ اور سیکرٹری جنرل آف میڈیکل ایسوسی ایشن قاہرہ، مصر جیسے اہم اور نمایاں عہدوں پر کام کیا۔

نوال السعدوی نے ۱۹۷۲ء میں اپنی کتاب المرأة و الجنس شائع کی جس میں عورتوں کے جسم پر ہونے والی جارحیت کو موضوع بنایا گیا ہے؛ بالخصوص عورتوں کے ختنے جیسی پرانی رسم کے خلاف آواز بلند کی۔ تحریکِ حقوقِ نسواں کے حوالے سے بھی یہ ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔

۱۹۸۱ء میں اس نے خواتین کا ایک میگزین Confrontation شائع کیا۔ مصری صدر انور سادات نے اس میگزین کو خطرناک اور متنازعہ قرار دے کر اسے پابندِ سلاسل کر دیا۔ عربی میں لکھا جانے والا ناول امرأة عند نقطة الصفر جسے انگریزی میں woman at point zero کے عنوان سے اس کے شوہر شریف حتاتہ نے شائع کیا۔ یہ ناول ایک پاک باز عورت کی کہانی بیان کرتا ہے؛ جسے حالات نے طوائف بنا دیا۔ مذکورہ ناول ۱۹۷۵ء میں بیروت سے شائع ہوا، جس کا مرکزی کردار فردوس نامی عورت ہے جس کو حالات، مایوسی اور دکھ کے اندھیروں میں دھکیل دیتے ہیں۔ معاشرے کی ستم ظریفی کے تھپیڑے سہتی عورت کی پکار جسے نوال نے بڑے بے باک اور چبھتے ہوئے انداز میں پیش کیا۔ اپنی ان بے باک تحریروں اور سچ بولنے کی وجہ سے نوال کو نہ صرف اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے بلکہ اسے اپنا ملک بھی چھوڑنا پڑا۔ اس حوالے سے وہ ایک جگہ پر لکھتی ہے:

> ''جب سے میں نے قلم پکڑا ہے؛ تب سے خطرہ میری زندگی کا حصہ رہا ہے۔ جھوٹ بولنے والی دنیا میں سچ بولنا سب سے خطرناک کام ہے۔''(۳)

ناول کا مرکزی کردار ''فردوس'' ہے جو اپنی محرومی اور غربت سے اٹے ہوئے بچپن کو یاد کرتی ہے۔ جسم کے حساس حصہ کو جزوی طور پر کاٹنے کی تکلیف دہ رسم "ختنہ" کو بھی یاد کرتی ہے۔ فردوس

والدین کی وفات کے بعد اپنے چچا کے گھر رہتی ہے جو الازہر یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہے۔فردوس کی شادی ایک بوڑھے شیخ محمود نامی شخص سے کر دی جاتی ہے جو فردوس کو جسمانی وجذباتی اذیتیں پہنچاتا ہے۔ شوہر کے وحشیانہ تشدد سے تنگ آ کر وہ اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہے تو اس دوران ایک کافی شاپ کا مالک اسے ملازمت اور سکونت کی پیش کش کرتا ہے۔ وہ اور اس کے دوست بھی فردوس کا بہیمانہ جنسی استحصال کرتے ہیں ۔ یہاں سے فرار کے بعد اس کی ملاقات شریفہ نامی خاتون سے ہوتی ہے جو اسے کوٹھے پر لے جاتی ہے اور فردوس ہائی کلاس طوائف بن جاتی ہے ۔اس کے بعد عزت والی زندگی کی خواہش میں وہ کوٹھا چھوڑ کر ملازمت کرتی ہے ۔اس دوران وہ ایک ابراہیم نامی شخص سے محبت کرنے لگتی ہے، وہ بھی دیگر بھیڑیا خصلت لوگوں کی طرح جنسی استحصال کے بعد دھوکے سے اسے چھوڑ دیتا ہے،ایک دفعہ پھر اسے کوٹھے والی زندگی کی طرف لوٹنا پڑتا ہے ۔مرزوق نامی شخص خود ساختہ دلال بن کر فردوس کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے ۔فردوس جب اس کے قبضے کے خلاف مزاحمت کرتی ہے تو مرزوق چاقو سے حملہ کر دیتا ہے ۔فردوس اس کے ہی چاقو سے اس کا کام تمام کر دیتی ہے ۔قتل کا اعتراف کرتی ہے اور جیل میں ڈال دی جاتی ہے اس کو اس جرم کی پاداش میں سزائے موت سنا دی جاتی ہے ۔فردوس صدر کو رحم کی اپیل کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور تختہ دار پر لٹکنا قبول کر لیتی ہے ۔

کہانی کے ہر موڑ پر ہم دیکھتے ہیں کہ مرد عورت کو کھلونا سمجھ کر اس سے کھلواڑ کرتے ہیں ۔نوال عورت کی تذلیل اور مردوں کے وحشیانہ سلوک پر کڑھتی ہے ۔فردوس کا زندگی میں جتنے بھی مردوں سے واسطہ پڑا وہ سب بھیڑیے کی طرح اس کے جسم اور روح کو نوچتے رہے بس شکلیں مختلف ہیں اور روپ الگ الگ دھارے پھرتے ہیں لیکن عورت پر جھپٹنے کی خو سب کی ایک جیسی ہے ایک جگہ پر فردوس کہتی ہے:

> ”تمام مرد جن کو میں جانتی ہوں، ان میں سے ہر ایک نے میرے دل میں ایک ہی خواہش پیدا کی ہے کہ میں اپنا ہاتھ فضا میں بلند کروں اور زور سے اس کے منہ پر طمانچہ ماروں ---یہ سب مرد ایک جیسے ہیں۔سب ---کے بچے ہیں جو مختلف ناموں سے پھرتے رہتے ہیں۔محمود، حسنین، فیضی، صابری، ابراہیم، اوادین، بایومی۔“(۴)

فردوس کے یہ الفاظ روایتی معاشرے کی بے حسی پر ایک نوحہ ہیں ۔اپنے حقوق کی جنگ لڑتی عورت کی پکار ہیں ۔وہ کہتی ہے کہ تمام مرد دھوکا دیتے ہیں اور تمام عورتیں دھوکا دہی کا شکار ہوتی ہیں ۔نوال

مردوں کی برتری کے خلاف تھی۔اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ شادی بھی ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔عورت کو زیر کرنے کے لیے محبت،حفاظت اور چھت جیسے تصورات کو شادی کے ساتھ جوڑا گیا ہے، یہ سب سراب ہیں۔اٹھارہ برس کی فردوس کو ساٹھ سال سے زائد عمر کے بوڑھے کے ساتھ شادی پہ مجبور کردیا جاتا ہے۔اس کی مرضی نہیں پوچھی جاتی،اس بے جوڑ شادی میں عورت پل پل مرتی رہے یا پھر گھر نہ بسا پائے تو طعنوں اور گالیوں کے نشتر سہے۔جنسی ضرورت کا اظہار کر بیٹھے تو رنڈی کہلائے۔چنوا اچی بی کے ناول ''تھنگو فال اپارٹ'' میں لڑکیوں کی قیمت وصول کی جاتی ہے ویسے ہی فردوس کا انکل مال مویشی کی طرح فردوس کا سودا کرتا ہے۔ناول کے سارے مرد کرداروں کو معاشی آزادی ہے۔روپیا پیسا ان کے ہاتھ میں ہے۔عورت بنیادی ضرورتوں کے لیے بھی شوہر کی محتاج ہے۔

فردوس کو ہر جگہ ہر پل یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ مرد کا سہارا لازمی ہے۔اس کے پاؤں میں مرد پہ انحصار کی زنجیر پڑی رہتی ہے۔وہ کہیں بھی آزاد نہیں۔وہ طوائف کے روپ میں آزادی تلاش کرنے کی سعی کرتی ہے مگر وہاں بھی مرزوق نامی دلال اس پر قابض ہو جاتا ہے اور وہ فردوس کو دھمکاتا ہے۔

جس طرح نوال کی بیشتر تحریروں میں مرد کی برتری کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے بعینہ قرۃ العین حیدر کی اکثر و بیشتر تحریروں میں یہی تصور نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔دونوں تخلیق کار اپنے عہد کی نابغہ روزگار شخصیات تھیں اور دونوں ہی مرد کی برتری کے خلاف تھیں، وہ بھی اس قدر خلاف کہ بعض اوقات ان کی تحریروں کے نسوانی کردار چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے کسی صورت مرد کی برتری کو تسلیم نہیں کرنا لیکن اس سب کے باوجود وہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر مردوں کے استحصال کا نشانہ بنتی دکھائی دیتی ہیں۔پروفیسر عبدالمغنی لکھتے ہیں:

> ''قرۃ العین حیدر کی تخلیقی دنیا میں بہت کم ایسی عورتیں ہیں جو کھل کھیلتی ہیں اور اپنی جنس کا استعمال اپنے عیش یا مردوں کے استحصال کے لیے کرتی ہیں۔ناولٹ ''سیتا ہرن'' کی ہیروئن ڈاکٹر سیتا میر چندانی یقیناً ایک نمایاں خاتون ہے؛ جس پر مردوں کا کھلونا بننے اور بے مہار جنسی تجربہ کرنے کا شبہ کیا جاسکتا ہے؛ یہی حال ایک افسانے ''پت جھڑ کی آواز'' کی ہیروئن تنویر فاطمہ کا ہے؛ لیکن ان خواتین کے اعترافات و بیانات سے ان کی مظلومیت اور بے چارگی بھی عیاں ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس سے زیادہ حالاتِ زمانہ کا شکار ہیں۔''(۵)

قرۃالعین حیدر کے ناول گردش رنگ چمن اور نوال السعدوی کے ناول امراۃ عندنقطۃ الصفر کے فکری اشتراکات کے جائزہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ بعض اوقات حالات انسان کو اس موڑ پر لاکھڑا کرتے ہیں کہ انسان مجبور محض دکھائی دیتا ہے اور وہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس کی طرف اس کی کبھی توجہ بھی نہیں گئی ہوتی ۔مذکورہ دونوں ناولوں میں حالات کی سنگینی کی بدولت نواب فاطمہ، عندلیب اور فردوس جیسی پاک باز خواتین کے ساتھ ساتھ دلنواز اور مہر وجیسی حسین وجمیل مغل شہزادیاں طوائف بننے پر مجبور ہو جاتی ہیں ۔عندلیب بانو کے کردار کے ذریعے قرۃالعین حیدر نے ایک پورے طبقے اور نسل کے المیے کو پیش کیا ہے ۔وہ احساس گناہ اور اعتراف جرم کے ہاتھوں مجبور ہے ۔عندلیب بانو ذاتی طور پر ایسی گناہ آلود زندگی کو پسند نہیں کرتی تھی کیوں کہ وہ اس سے بہتر اور صاف ستھری زندگی گزارنے کی خواہاں تھی مگر اس کی والدہ نواب فاطمہ اسے بھی اپنے جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہے ۔عندلیب بانو دنیا اور دین دونوں سے بغاوت کر ڈالنے کے باوجود بھی اپنی نئی دنیا کی تعمیر میں کامیاب نہیں ہو سکی ۔ وہ ایک ہندو سیٹھ امباپرشاد کے گھر طوائف بن کر آتی ہے ۔مذکورہ ناول میں تقریباً تمام کردار وقت کے جبر کا شکار اور وقت کے احکامات کے پابند نظر آتے ہیں لیکن کہانی جیسے جیسے ارتقائی مراحل طے کرتی ہے ویسے ویسے ناول میں موجود کرداروں کی حقیقت حال کھل کر سامنے آتی جاتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ گزرے اور گزرتے ہوئے وقت کا ایک پورا سلسلہ ان میں چھپا ہوا ہے ۔وقت ان کرداروں کا امتحان لیتا ہے جن میں عندلیب بانو کی پٹاری جس میں اس کے بچپن کی گڑیاں بھی رکھی ہوئی ہیں، وہ وقت کے جبر کی ایک طاقت ور علامت کے طور پر سامنے آتی ہے ۔تاریخ اور وقت کی ان دیکھی قوت کے آگے انسان مجبور محض، کٹھ پتلیوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔

مذکورہ ناول میں جسم فروشی پر ندامت سے عاری خوشی کا اظہار نہیں ملتا بلکہ یہ پورا دھندا تذلیل آمیز اور ترحم انگیز لگتا ہے ۔خواہشات نفسانی کے دلدادہ نوابوں، راجوں اور امیر کبیر دولت مند لوگوں کے ہاتھوں جنسی استحصال کی عکس گری دیکھنے کو ملتی ہے ۔مصنفہ نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ مردوں کی بالادستی پر قائم معاشرے میں خوب صورت اور جوان عورت گھریلو چیزوں کی طرح استعمال ہوتی ہے ۔ قرۃالعین نے اس پورے نظام اقدار کے زوال پر توجہ مرکوز رکھی ہے ۔

نوال السعدوی نے اپنے ناول امراۃ عندنقطۃ الصفر میں طوائف کے کردار کو خاصا قریب سے دیکھا ہے ۔مصنفہ ایک قیدی عورت فردوس سے جیل میں ملی تھیں جو سزائے موت کے انتظار میں تھی ۔یہ

ناول اس عورت کی حقیقی داستان پر مبنی ہے ۔ جب موت اتنی قریب ہوتو پھر انسان سارے سراب جھٹک دیتا ہے؛ اسے صرف حقیقت ہی دکھائی دیتی ہے تبھی تو اس کہانی میں اتنی سچائی نظر آتی ہے ۔کہانی کیا ہے، ایک آئینہ ہے ۔دیکھیے اور اپنی اپنی صورت پہچانیے ۔فردوس بنیادی طور پر طوائف نہیں ہے لیکن اس پاک باز عورت کو طوائف بنانے میں اس کے والد، انکل، شوہر سب نے اپنا اپنا حصہ ڈالا اس حوالے سے ایک جگہ پر وہ کہتی ہے:

> ''میں کہہ رہی ہو آپ مجرم ہو، آپ سب مجرم ہو، باپ ، چچا ، ماموں، شوہر، دلال، ڈاکٹر صحافی اور تمام شعبوں کے تمام مرد مجرم ہیں۔''(٦)

نوال السعدوی کے مطابق خواتین کو کمزور رکھنے کے لیے تعلیم سے دور رکھا جاتا ہے ۔تعلیم ایک روشنی ہے، ایک طاقت ہے لہٰذا اسے مرد کا استحقاق سمجھا جاتا ہے ۔فردوس، الازہر یونیورسٹی میں پڑھنے کے خواب دیکھتی ہے، ایسے خواب دیکھنے پر اس کا انکل ہنس دیتا ہے ۔اس کے پاس روایتی بیوی کا کردار نبھانے کا اکلوتا راستہ ہے ۔بیوی کی زندگی غلامی کی زندگی ہے ۔بیوی پر جسمانی تشدد کو شوہر کا حق مانا جاتا ہے اور ظلم کو خاموشی سے جھیلنا عورت کی پرہیز گاری گردانا جاتا ہے ۔نوال کے مطابق یہ خود ساختہ قوانین مردوں کی تخلیق ہیں ۔مرد آقاؤں کے اس معاشرے میں عورت مجبوری اور استحصال کے اکٹوپس میں جکڑی ہوئی ہے، ایک جگہ پر غلام بیوی پر آزاد طوائف کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتی ہے:

> ''تمام عورتیں کسی نہ کسی صورت میں طوائف ہوتی ہیں ۔میں سمجھ دار تھی اس لیے ایک خود مختار طوائف کی زندگی اختیار کرنے کو ترجیح دی؛ بجائے اس کے میں ایک غلام بیوی ہوتی۔''(٧)

قرۃ العین حیدر کی تحریروں میں بھی مرد کی برتری کا تصور جا بجا اُبھرتا دکھائی دیتا ہے ؛ان کے ہاں نسوانی کرداروں میں ایسی عورتیں بہت کم ہیں جو اپنی جنس کا استعمال اپنے عیش یا مردوں کے استحصال کے لیے کرتی ہیں ۔ناولٹ ''ستیا ہرن'' کی نمایاں کردار ڈاکٹر ستیا میر چندانی مختلف مردوں کی ہوس کا نشانہ بنتی ہیں ۔علاوہ ازیں ان کے ایک افسانے ''پت جھڑ کی آواز'' کی ہیروئن تنویر فاطمہ کے ساتھ بھی بالکل یہی ہوتا ہے لیکن یہ تمام کردار اپنی خواہشاتِ نفسانی سے زیادہ حالاتِ زمانہ کا شکار ہیں ۔بعینہٖ قرۃ العین کے ناول ''گردشِ رنگِ چمن'' میں موجود دو کردار لڑکیوں کے ہیں جو سرائے طغرل بیگ میں مارے جانے والے خاندان سے بچ جاتی ہیں ۔مہر و بانو ڈیرے دار طوائف منوری کشمیرن کے کوٹھے پر پہنچتی ہے اور

دوسری دلنواز باعزت زندگی گزارنے کی خاطر کئی لوگوں سے وابستہ ہوجاتی ہے۔حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ دونوں کی پرورش ایک طوائف کے یہاں ہوتی ہے اوراس طرح حالات کی ماری ہوئی دونوں شاہ زادیاں طوائفیں بننے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد رقم طراز ہیں:

> ''دلنواز،مہرو اور نواب فاطمہ مغل تہذیب کی آخری نشانیاں ہیں۔شریف زادیاں جو زمانے کے ہاتھوں طوائف بننے پر مجبور ہوگئیں۔مہرو اپنے حال میں شاکر رہی لیکن دلنواز اورنواب فاطمہ ساری عمر شریفانہ زندگی کے خواب دیکھتی رہیں۔''(۸)

قرۃ العین حیدر اور نوال السعدوی دونوں اپنے عہد کی نابغہ روزگار شخصیات تھیں جنھوں نے اپنی تحریروں سے اپنے دور کو بہت حد تک متاثر کیا۔متنوع جہات پر قلم فرسائی کرنے والی دونوں بہترین فکشن نگار متعدد تخلیقات کی خالق ہیں۔دونوں شخصیات کے حق میں بھی بہت کچھ لکھا گیا اوران کی مخالفت میں بھی۔دونوں اپنے عہد کی متنازعہ مصنفات ہیں لیکن یہ بات بہت اہم ہے کہ دونوں کا نقطہ نظر بہت واضح اور نمایاں ہے۔دونوں کی تحریروں میں فکری اشتراکات کا عمل جا بجا دیکھنے کو ملتا ہے۔بالخصوص قرۃ العین حیدر کے معروف ناول ''گردشِ رنگِ چمن''اور مصری مصنفہ نوال السعدوی کے ناول امراہ عندنقطہ الصفر کے مابین بہت حد تک فکری اشتراکات اور مماثلتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔مذکورہ دونوں ناولوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بعض اوقات حالات انسان کو اس موڑ پر لا کھڑا کرتے ہیں جو اس کے کبھی وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا بالکل اسی طرح ان دونوں ناولوں میں حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر معصوم اور پاک باز خواتین کو طوائف بنتے دکھایا گیا ہے۔علاوہ ازیں مذکورہ دونوں فکشن نگار مردوں کی برتری کے بھی خلاف تھیں،جس کا اظہار ان کی تحریروں میں اکثر جگہوں پر دیکھا جا سکتا ہے بالخصوص مذکورہ دونوں ناولوں میں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

۱۔فاروق عثمان، ڈاکٹر۔"اردو ناول میں مسلم ثقافت "بیکن بکس ملتان،۲۰۰۲ء، ص:۴۹۵

۲۔اسداللہ خاں غالبؔ، "دیوانِ غالب"،(نسخہ شیرانی)مجلسِ ترقی ادب،لاہور،اگست ۱۹۶۹ء ص:۲۳

(۳) El Saadawi, Nawal. ''Memoirs from the Women's Prison'' Women's Press,London, 1986, P:79

(۴) El Saadawi, Nawal. "Woman at Point Zero", Zed Books Ltd,London, 1983, P:102,52

(۵) عبدالغنی، پروفیسر"قرۃالعین حیدر کا فن"،گلوب پبلیشرز لاہور۱۹۹۱ء ص:۲۱

(۶) El Saadawi, Nawal. "Woman at Point Zero", Zed Books Ltd, London, 1983, P:100

(۷) El Saadawi, Nawal. "Woman at Point Zero", Zed Books Ltd, London, 1983, P:91

(۸) رشیدامجد، ڈاکٹر، مضمون" گردشِ رنگِ چمن۔ایک جائزہ"مشمولہ"قرۃالعین حیدر:خصوصی مطالعہ"مرتبہ سید عامر سہیل بیکن بکس،ملتان ۲۰۰۳ء،ص ۳۶۷

❁❁❁